مکاتیبِ رشید احمد صدیقی کا اُسلوبیاتی مطالعہ

محمد الرحمان*

Abstract:

Rasheed Ahmed Siddiqui has a remarkable prose style with a refined sense of humour, a flash of wit and unending passion for the values and personalities of Aligadh.Lateef Arif of Multan has compiled all the wrtings of R.A.Siddiqui with love and care.The author of this article has used these writings as a source material and tried to analyse it with his critical insight.

رشید احمد صدیقی اُردو کے صاحب طرز اسلوب نگار ہیں۔ اردو نثر کی مزاج دانی اور آہنگ شناسی جس طرح ان کی تحریروں میں ملتی ہے اس کی نظیر اردو ادب میں کمیاب ہے۔ وہ الفاظ کی نغمگی، معنویت، تصویر کشی اور جمالیاتی کیفیت کو اس انداز سے برتتے ہیں کہ بقول انیسؔ:

ع اک پھول کا مضموں ہو تو سو رنگ سے باندھوں

ان کے طرزِ تحریر نے اُردو نثر کو نئی جہت سے آشنا کیا ہے اور اسے وسعت اور رنگینی کی نئی کیفیات بخشی ہیں, لیکن رشید احمد صدیقی کے اسلوب کے بارے میں جاننے سے پہلے ہم دیکھیں گے کہ اُسلوب ہے کیا چیز؟ لفظ ''اُسلوب'' انگریزی لفظ کے Style کا مترادف ہے۔ یونانی میں Stylos اور لاطینی میں Stylus اُسلوب کے ہم معنی الفاظ ہیں اور ہندی میں اسلوب کے ہم معنی لفظ 'شیلی' ہے۔[1] لفظ اسلوب عربی لفظ اُسلوب سے مشتق ہے جس کے جمع اسالیب ہیں۔ اُردو میں بعض لوگ اُسلوب کی بجائے اسلوب یعنی الف پر پیش کے بجائے زبر کی آواز سے تلفظ کرتے ہیں۔ لغات میں پیش ہی کی آواز کو درست تسلیم کیا گیا ہے۔ لغات کے مطابق اُسلوب کے لفظی معنی طور، طرز، روش، طریقہ اور راہ نکلنے کے ہیں جیسے:

ع پہنچا ہے جس وقت سے مکتوب
زندگی کا بندھا ہے کچھ اُسلوب

---

* پی ایچ۔ ڈی۔ سکالر شعبہ اُردو، یونیورسٹی آف پشاور۔

۱۔ ''آکسفورڈ انگلش ڈکشنری'' کے مطابق: '' لکھنے کا طریقہ، بڑے سیاق وسباق میں اظہار کا طریقہ۔''

۲۔ ''کسی ادبی شخصیت (اور مقرر کی بھی) ادبی گروہ یا دور کا اپنا منفرد طریق اظہار، مصنف کا تخلیقی ضابطہ جس میں توضیح، قوتِ تاثیر اور حسن ہوں۔''(۲)

۳۔ ''کشافِ تنقیدی اصطلاحات'' کے مطابق: ''اسلوب سے مراد کسی ادیب یا شاعر کا وہ طریقہ، ادائے مطلب یا خیالات وجذبات کے اظہار و بیان کا وہ ڈھنگ ہے جو اس خاص صنف کی ادبی روایت میں مصنف کی اپنی انفرادیت (انفرادی خصوصیات) کے شمول سے وجود میں آتا ہے اور چونکہ مصنف کی انفرادیت کی تشکیل میں اس کا علم، کردار، تجربہ، مشاہدہ، افتادِ طبع، فلسفہء حیات، اور طرزِ فکر و احساس جیسے عوامل مل جل کر حصّہ لیتے ہیں۔ اس لیے اسلوب کو مصنف کی شخصیت کا پرتو اور اس کی ذات کی کلید سمجھا جاتا ہے۔''(۳)

۴۔ ڈاکٹر محی الدین قادری زور اسلوب کو مصنف کی تمام زندگی کا عکس بتاتے ہیں۔(۴)

دراصل اسلوب اور شخصیت کا آپس میں گہرا تعلق ہے جو چیز شخصیت پر اثر انداز ہوتی ہے وہی اسلوب پر بھی کسی نہ کسی طرح اپنا اثر ڈال ہی لیتی ہے۔ موزوں الفاظ کے انتخاب اور دربست کا کمال میرؔ، انیسؔ، غالب، محمد حسین آزادؔ، اور ابوالکلام آزادؔ کی تحریروں میں دیکھا جا سکتا ہے۔ ذخیرہ الفاظ کا وافر مقدار میں کسی آدمی کے پاس ہونا اس بات کی کوئی ضمانت نہیں کہ آدمی ان الفاظ کے صحیح برتاؤ کی قوت بھی رکھتا ہو۔ غالبؔ کے اسلوب میں اگر بانکپن ملتا ہے تو سرسیّد کا اسلوب متنوع ہے۔ حالی نے اُردو نثر کو تدّبر اور متانت سے روشناس کیا لیکن شبلی کا اسلوب عالمانہ ہے اور اس کی نثر میں شعریت غالب ہے۔ ڈپٹی نذیر احمد دہلی کی ٹکسالی زبان استعمال کرتے ہیں۔ اسلوب کو وجود میں لانے کے لیے نہ صرف خیال کا ہونا لازمی ہے بلکہ خیال کا موزوں الفاظ میں اظہار بھی اپنی جگہ اہم ہے۔ مولانا حالی عمدہ شاعری کے لیے جس قدر الفاظ پر زور دیتے ہیں اس قدر معنی پر نہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ متبذل مضمون اچھے الفاظ میں بیان کرنے سے قابل ستائش بن سکتا ہے لیکن معنی کیسے ہی لطیف اور بلیغ ہوں اگر پاکیزہ اور عمدہ الفاظ میں بیان نہ کیے جائیں، ہرگز دلوں کی گہرائیوں میں پناہ گزین نہیں ہوں گے(۵) لیکن دورِ جدید کے نقاد خیال کو الفاظ پر ترجیح دیتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ اب اسلوب کی پرکھ کے پیمانے بھی بدل گئے ہیں۔ اب اسی اسلوب کو سائنٹفک قرار دیا جاتا ہے جو سلیس، سادہ سبک اور مختصر ہو۔ ادبی اظہار کے تجزیئے کے لیے ضروری ہے کہ نہ صرف صوتیات، لفظیات اور نحویات کا خیال رکھا جاتا ہے بلکہ معنیاتی سطح پر الفاظ کے دروبست پر غور کرنا مطلوب ہوتا ہے، یہ تجزیہ کسی خاص متن کو لے کر یا منتخب متون کا آپس میں تقابلی مطالعہ کرکے کیا جاتا ہے اور جو نتائج سامنے آتے ہیں، وہ مفصل بھی ہوتے ہیں اور ان میں وضاحت اور قطعیت بھی ہوتی ہے۔ لوکس (Locas) کے الفاظ:

''ادبی اسلوب وہ اسلوب ہے جس سے ایک شخصیت دوسری شخصیت سے تعلق رکھتی ہے اس لیے اسلوب کے مسائل حقیقت میں شخصیت کے مسائل ہیں۔عملی نفسیات کے مسائل، بایں وجہ اس نفسیاتی بنیاد کو اوّلیت حاصل ہونی چاہیے کیوں کہ اسی پر اصول ابلاغ منطقی طور پر منحصر ہوتے ہیں۔''(۶)

رشید احمد صدیقی کی شخصیت گونا گوں خصوصیات وکمالات سے متصف نظر آتی ہے۔وہ بیک وقت ایک صاحب طرز ادیب، خاکہ نگار، ناقد، مکتوب نویس، انشائیہ نگار اور سب سے بڑھ کر میدان طنز ومزاح کے مرد غازی تھے۔اس پر طرّہ یہ کہ رشید صاحب ایک اعلیٰ پایہ کے فن کار ہونے کے ساتھ ساتھ ایک لائق اور شفیق استاد اور ہمدرد ومتین طبیعت انسان تھے۔اس قد آور شخصیت کی تعمیر وتشکیل میں اعلیٰ تہذیبی روایات، مسلمہ اخلاقی اقدار، علمی اور ادبی ذوق، زندگی گزارنے کا ایک مخصوص ڈھنگ، تجربوں کے نگارخانہ اور بالخصوص علی گڑھ کی مجموعی فضا کا حصّہ رہا ہے۔اس سے ان کے گفتار وکردار سے ہر دو کی خاص پہچان متشکل ہوئی ہے۔یہی وجہ ہے ان کی شخصیت کے دونوں پہلو یعنی ادبی اور نجی ان کے شناساؤں اور ان کے قارئین کے لیے لائقِ احترام رہے ہیں۔ان کی جملہ تحریروں سے جو ادبی شخصیت ابھر کر سامنے آجاتی ہے وہ ایک بڑے صاحبِ طرز ادیب کی شخصیت ہے۔ایک ایسے صاحب طرز ادیب کی شخصیت کہ جس کا اسلوب صحیح معنوں میں اس کی پہچان قرار دیا جاسکتا ہے۔مضامین ہوں، خاکے ہوں، تنقید یا مکاتیب غرض ہر کہیں ان کا یہ اسلوب اپنی شان اور آن بان کے ساتھ موجود ہے اور اس بڑے فن کار کی شناخت بن گیا ہے۔(۷)

رشید احمد صدیقی نے اپنی پچاس سالہ ادبی زندگی میں بے شمار تخلیقات سے اُردو ادب کو ثروت مند بنایا۔ اپنی تخلیقات میں ان کی خود نوشت سوانح عمری، ایک مقالہ اور چودہ (۱۴) متفرق مضامین کے مجموعے انہوں نے خود مرتب کر کے اپنی زندگی میں شائع کیے تھے۔بعد میں ان کی وفات (۱۹۷۷ء) کے بعد ان کی نگارشات کا ایک بڑا سرمایہ ایسا ہے جو تقریباً پینتیس (۳۵) کتابوں کی صورت میں مرتب کیا گیا ہے۔یہ تحریریں باقیاتِ رشید احمد صدیقی میں شمار کی جاتی ہیں۔باقیات کسی مصنّف، شاعر یا ادیب کے وہ ادبی آثار ہوتے ہیں جنہیں وہ اپنی زندگی میں باقاعدہ طور پر کتابی شکل یا مجموعے میں مرتب نہ کر سکے۔رشید احمد صدیقی کی باقیات کا معاملہ بھی کچھ ایسا ہی ہے جو اگرچہ رسالوں میں شائع ہوئیں تاہم اپنی مصروف معلمانہ زندگی میں ان کو موقع نہ مل سکا کہ وہ ان ادب پاروں کو کتابی شکل میں مدوّن کر سکتے۔انہی باقیات میں ان کے خطوط کے گیارہ مجموعے بھی شامل ہیں جن میں موجود خطوط کی تعداد دو ہزار (۲۰۰۰) سے زائد بنتی ہے جو اردو ادب میں مولوی عبدالحق کے بعد لکھی ہوئی بڑی تعداد ہے۔

رشید احمد صدیقی نے اپنے بچوں، دوستوں، معاصرین اور نامور مشاہیر کے نام خطوط لکھے جن میں زیادہ

تعداد ان کے بچوں کے نام خطوط کی ہے لیکن اس کے باوجود ان کے خطوط کا معتد بہ حصہ ایسا ہے جس میں انہوں نے اپنے نامور دوستوں اور مشاہیر کے نام خطوط میں اردو زبان وادب، اردو رسم الخط، اردو کے نامور شاعروں، فن، آرٹ اور دیگر تعلیمی وتہذیبی افکار پر کھل کر اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔

رشید احمد صدیقی کے خطوط ان کی شخصیت کا آئینہ بھی ہیں اور ان کے قوسِ قزح کی طرح رنگارنگ اور طرحدار مزاحیہ اسلوب کے بہترین نمائندے بھی۔ ان خطوط میں انہوں نے بے تکلفی سے زندگی، ادب، ماحول، موسم اور اپنے معاصرین کے بارے میں اظہارِ خیال کیا ہے۔ انہوں نے بعض معاصرین کی تعریف کی ہے، بعض پر اعتراضات کیے ہیں اور بعض پر طنز بھی۔ گویا یہ خط ان کے اس وقت کے جذبات واحساسات کی عکاسی کرتے ہیں۔ ویسے عام طور پر وہ مرنجان مرنج اور عافیت پسند تھے۔ نہ کسی سے الجھنا چاہتے تھے اور نہ کسی سے جھگڑا کرتے تھے۔ وہ ہر طرح کے ہنگامے اور اختلافات سے دور ہی رہنا پسند کرتے تھے۔ اگر کسی سے بدحظ ہوتے تو اس سے ملنے سے گریز کرتے۔ اگر کسی محفل میں جہاں وہ ہوتے، کچھ لوگ بحثا بحثی یا تلخ کلامی پر اتر آتے تو یا تو وہ خاموش رہتے یا وہاں سے اٹھ آتے تھے۔ وہ روزانہ خاصی تعداد میں خط لکھتے تھے۔ شہر سے باہر خط لکھنا ہوتا تو عموماً پوسٹ کارڈ استعمال کرتے۔ لفافے انہوں نے بہت کم استعمال کیے ہونگے۔ علی گڑھ میں مختلف لوگوں کو خط لکھتے تو رقعوں یا آئے ہوئے خطوط کے سادہ حصوں پر۔ عام طور پر ان کا ملازم سکندر ان کے خط شام کو اسٹیشن کے لیٹر بکس میں ڈالنے جاتا۔ مکتوب کی خوبی یہ ہے کہ وہ شروع سے ہی پڑھنے والے کی پوری توجہ کا مرکز بن جائے۔ رشید صاحب کو یہ گر آتا تھا۔ وہ کبھی کچھ دلچسپ فقروں سے اور کبھی کچھ مزاحیہ کلمات سے پڑھنے والے پر ایک طرح کا جادو کر دیتے تھے۔ برسوں کی مشق ومہارت سے انہیں اچھی، بڑی، چست اور جاندار نثر لکھنا آ گئی تھی۔ زیادہ تر لوگ اپنی تحریروں پر ان سے رائے مانگتے اور عموماً وہ لکھنے والوں کی ہمت افزائی کے لیے ان تحریروں کے متعلق کوئی خوش کن لفظ استعمال کر دیتے تھے۔ ان کے خطوط متنوع ہیں لیکن اس جائزے میں علمی اور ادبی خطوط کو مدّ نظر رکھا جائے گا۔

رشید صاحب کے ان خطوط کے متعلق کچھ کہنے سے پہلے مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ مکتوب نگاری کے آداب واخلاق کے سلسلہ میں انہوں نے جو کچھ لکھا ہے اس کی طرف اشارہ کر دیا جائے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

> ''بے تکلف اور مخلص دوستوں کو خط لکھنے میں مجھے بڑا لطف آتا تھا۔ ان خطوں میں مجھے سب کچھ لکھ دینے میں مطلق باک نہ ہوتا۔ یہ میرے اچھے برے خیالات اور جذبات کی سب سے اچھی ترجمانی کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ مجھے اس کا خیال آیا کرتا تھا کہ کہیں یہ منظر عام پر نہ آ جائیں۔ چنانچہ ایک بار ایک عزیز دوست کی وفات کی خبر آئی تو بہت لمبا اور دشوار گزار سفر کر کے جلد سے جلد پہنچا۔ مرحوم میرے خطوط سینت کر رکھتے تھے۔ پہنچتے ہی کاغذات کا جائزہ لیا اور اپنے خطوط کا بنڈل

قبضہ میں کر کے آگ کے حوالے کر دیا۔ خدا کرے میرے اس قسم کے خطوط جن عزیزوں اور دوستوں کے پاس ہوں وہ ان کو تلف کر چکے ہوں۔ وہ میرے ان کے درمیان پرائیویٹ گفتگو تھی جس کا مشتہر کرنا اخلاقی جرم ہے۔ فائدہ کوئی نہیں فتنے کا امکان زیادہ ہوتا ہے۔ میرے نزدیک اچھے خطوط بالعموم وہ ہوتے ہیں جن کو شائع نہ کیا جائے۔ مجھے لکھنے پر جو قدرت حاصل تھی اس کی واقعی خوشی اس وقت حاصل ہوتی تھی جب بے تکلف احباب، مخلص دوستوں اور عزیزوں کو خط لکھنے بیٹھ جاتا۔ خطوط کا اصلی جوہر خلوص اور اعتماد ہے۔ اپنا خلوص اور دوسروں پر اعتماد۔ خطوط میں قابلیت کا اظہار نہ کرنا چاہئے۔ شرافت، خوش طبعی اور دوراندیشی سے کام لینا چاہئے۔ بقولِ روسو ''علم کی کمی خلوص سے پوری ہو جاتی ہے، خلوص کی کمی کبھی علم سے پوری نہیں ہوتی۔'' (۸)

اسی سلسلے میں ایک اور جگہ ان کے خیالات یوں ہیں:

''خطوط نویسی کو میں فنونِ لطیفہ میں جگہ دیتا ہوں، حسن و ہنر کا جو اظہار و ابلاغ فنونِ لطیفہ سے علیحدہ علیحدہ ہوتا ہے گفتگو کرنے میں ان سب سے بطریق احسن کام لینا پڑتا ہے۔ اچھی گفتگو کرنیوالے کی گفتگو میں نقش رنگ رقص و آہنگ اور شخصیت کی بیک وقت جلوہ گری ملتی ہے۔ شخص کی عدم موجودگی میں یہی کرشمہ ان کے خطوط میں نظر آئے گا۔'' (۹)

رشید صدیقی نے طنز و مزاح کی تخلیق میں زبان کے تمام تخلیقی امکانات کا سہارا لیا ہے۔ زبان کو ہر انداز سے برتنے کی کوشش کی ہے اور زبان کی صوتی، صرفی، نحوی اور معنیاتی سطحوں پر اس کے تخلیقی امکانات کو ڈھونڈ نکالنے کی پوری کوشش کی ہے یہی وجہ ہے کہ انہوں نے ایک کامیاب مزاح نگار کی حیثیت سے شہرت حاصل کی۔ کامیاب مزاح نگار بننے کے لیے زبان پر اعلیٰ قدرت اور اسے تخلیقی طور پر برتنے کا شعور ہونا اوّلین شرط ہے۔ رشید صاحب میں دونوں خوبیاں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ اور اسے تخلیقی طور پر برتنا جانتے بھی ہیں۔ ان کے طنزیہ و مزاحیہ اسلوب کی تخلیق میں زبان کا بڑا رول ہوتا ہے۔ کبھی وہ رعایت لفظی سے کام لیتے ہیں تو کبھی حروف و الفاظ کے الٹ پھیر سے، کبھی معنی کے تضاد اور کبھی معنوی تناسب کا استعمال کرتے ہیں۔ رشید صاحب نے مزاح پیدا کرنے کے لیے اکثر معنوی تناسب سے کام لیا ہے۔ وہ بات یا جملے کو سنجیدہ طور پر شروع کرتے ہیں پھر کوئی دو ایسے الفاظ لاتے ہیں جن میں معنیاتی ہم آہنگی ہوتی ہے جن سے ظرافت پیدا ہو جاتی ہے اور پڑھنے والا بغیر مسکرائے نہیں رہ سکتا۔ ایک مثال ملاحظہ ہو:

''ڈاکٹر عبدالحمید صدیقی ہاؤس سرجن تھے اور میری دیکھ بھال ان کے سپرد تھی۔ کتنے محنتی، محبتی اور اپنے فن میں طاق تھے۔ کسی وقت سرجری میں اپنے استاد ڈاکٹر بھاٹیہ کے ہم اثر بن جائیں گے۔ اس میں اتنا عرصہ لگے گا جتنا فتنہ کو قیامت ہونے میں لگتا ہے۔'' (۱۰)

یہاں فتنہ اور قیامت ایسے الفاظ ہیں جن میں معنیاتی اعتبار سے ایک تناسب اور ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔

نثری اسلوب کا جائزہ لیتے وقت سب سے پہلے یہ دیکھنا پڑتا ہے کہ نثر نگار نے اظہار خیال کے لیے کس صنف سے کام لیا ہے۔ جب ہم اس زاویہ نظر سے رشید صاحب کی تحریروں کا جائزہ لیتے ہیں تو انکشاف ہو جاتا ہے کہ اگر چہ رشید صاحب نے اپنی تحریروں کو کہیں انشائیے نہیں کہا لیکن مصنف کے لب و لہجے، مضامین کی ساخت، موضوع کے انداز پیش کش اور تحریر کے اسلوبیاتی محاسن کی بنا پر ان کی بیشتر تحریریں انشائیے کے زمرے میں آتی ہیں۔(۱۱) اس سلسلے میں ہماری نگاہ فطرتاً ان کے اس مضمون کی طرف جاتی ہے جس میں انہوں نے اپنی شخصیت اور فن کے بعض اہم گوشوں کو بڑی فن کارانہ چابکدستی کے ساتھ خود ہی بے نقاب کیا ہے۔ وہ اپنے مضامین کے بارے میں بتاتے ہیں کہ لکھنے میں ان کے ارادے کو اتنا دخل نہیں ہوتا تھا جتنا ایک خاص لمحے کو، اگر چہ وہ خود یہ دریافت نہ کر سکے کہ وہ لمحہ کب اور کیسے میسر آسکتا تھا۔ اپنے مضامین کی ساخت کے بارے میں انہوں نے ایک پتے کی بات یہ بھی کہی ہے کہ ان مضامین میں انہوں نے ابتدا، ارتقا اور عروج وغیرہ ہر قسم کی مراتب و مراحل کا خیال نہیں رکھا۔ بقول ان کے وہ مضامین نگاری کے مقررہ 'آداب و تسلیمات' سے بھی واقف نہیں تھے۔ اس کی وضاحت وہ یوں کرتے ہیں:

> ''میں قارئین کو اپنا اچھا اور بے تکلف دوست سمجھ کر گفتگو کرنا شروع کرتا تھا اور بے تکلف دوست ہی نہیں بلکہ اچھا اور بے تکلف خاندان بھی جس میں جوان، بوڑھے، بیمار، تندرست، ملول اور مسرور سب ہی شامل ہیں۔'' (۱۲)

صرف یہی نہیں انہوں نے مضامین کو گفتگو سے تعبیر کیا ہے بلکہ اس سلسلے میں کچھ فکر انگیز باتیں اور بھی کی ہیں مثلاً یہ کہ اچھی گفتگو پروگرام کے تحت نہیں ہوا کرتی، وہ ایک ایسے شعر کے مانند ہوا کرتی ہے جس میں مختلف مناظر، مختلف اشخاص اور مختلف حالات و حوادث سے سابقہ رہتا ہے۔ انہوں نے اپنے مضامین کی ساخت کے بارے میں یہ بات بھی صحیح کہی ہے کہ ان کے مضامین غزل کے نوعیت کے ہوتے ہیں مربوط اور مسلسل نظم کی مانند نہیں ہوتے اور یہ کہ ان مضامین میں جو باتیں غیر متعلق اور بہکی بہکی معلوم ہوتی ہیں وہ میرے فن کی شریعت کے مطابق تھیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سب خصوصیات انشائیہ نگاری کے فن سے تعلق رکھتی ہیں۔

رشید صاحب کی نثر ایک ایسے خوش مذاق، مہذب، ذہین اور بذلہ سنج ادیب کی گفتگو ہے جو لفظ کے رنگا رنگ استعمال کا سلیقہ جانتا ہے، جملوں کی ساخت سے نیرنگی اسلوب کے کرشمے دکھا سکتا ہے، بات میں بات پیدا کرنے کے ہنر سے واقف ہے اور اپنے مافی الضمیر کو کم سے کم الفاظ میں وضاحت، قطعیت، جامعیت اور استدلال کے ساتھ ادا کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ ان کے اسلوب میں اہم تکنیک قولِ محال کا استعمال ہے۔ اس

تکنیک سے انہوں نے لفظیات میں بھی کام لیا ہے۔مثالیں ملاحظ ہوں:

لفظیات ''چار پائی اور مذہب ہم ہندوستانیوں کا اوڑھنا بچھونا ہیں۔''

جملوں کی ساخت میں ''بیسوی صدی میں کتنوں کی جوتیاں اور کتنوں کی روٹیاں ماری جائیں گی۔''

امیجری میں ''ہم کو چار پائی پر اتنا ہی اعتماد ہے جتنا برطانیہ کو آئی سی ایس پر''

واقعات کے درمیان میں: ''حاجی صاحب شعر کہتے ہیں اور شعر بیچتے ہیں۔'' (۱۳)

اسی طرح انہوں نے ''سہ حرفی'' کی صفت بھی استعمال کی ہے مثلاً

''پنشن اور پاسباں نے غالب کی زندگی تلخ کر دی تھی اور غالب کے پرستاروں نے ہماری۔'' (۱۴)

رشید صاحب کی اکثر تحریروں میں ایسے جملے بھی ہوتے ہیں جن میں بات بالکل قطعی انداز میں کہی جاتی ہے۔ یہ وہ جملے ہیں جو اگر، مگر، شاید، غالباً، حالانکہ اور اگرچہ کے پھیر سے آزاد ہوتے ہیں۔تحریر کا یہ انداز کسی مصنف کی ذہنی پختگی اور فکری خود اعتمادی کا اظہار کرتا ہے جیسے یہ جملے ملاحظہ ہوں:

''تجسس عورت کی فطرت ہے اور پاسبانی اس کی عادت''

''عشاق اور انگریز دو ایسی قومیں ہیں جو نہ تعزیزات ہند سے ڈرتی ہیں اور نہ میونسپلٹی سے''

جملوں کی ساخت کے اعتبار سے ان کے ہاں اور بھی کئی اسلوبیاتی تکنیک مثلاً متوازیت، تضاد اور موازنہ ملتے ہیں۔ملاحظہ ہوں:

۱۔متوازیت کی مثال۔''ہر وہ فعل جو آئی سی ایس کرے برطانوی اقتدار میں معین اور ہر وہ فعل جو کسی ہندوستانی سے عمل میں آئے، برطانوی اقتدار کا منافی''

۲۔تضاد کی مثال۔''(گھاگ) موقع سے فائدہ اٹھاتا ہے، موقع کو اپنے سے فائدہ نہیں اٹھانے دیتا''

۳۔موازنہ نگاری کی مثال۔'' جھگڑے میں فریق ہونا خامی کی دلیل ہے۔حکم بننا عقل مندوں کا شعار۔'' (۱۵)

رشید صاحب کے اسلوب میں ادبی اظہار کے ان جمالیاتی وسائل کی بھی بڑی اہمیت ہے جو صرف ابلاغ خیال میں معاون ہی نہیں ہوتے بلکہ جن سے عبارت میں بڑا لطف اور تہہ داری بھی پیدا ہو جاتی ہے۔رشید صاحب کی اس خصوصیت کا ذکر جن میں متناقض اشیاء میں تلاش کر کے مزاح پیدا کیا گیا ہے کسی حد تک ہو چکا ہے۔ان ایک دوسری صنف یعنی کنایہ بھی ہے۔ادبی اظہار میں اس کی بڑی اہمیت ہوتی ہے کہ بات اگر ناگفتنی ہو تو اسے براہِ راست کہنے کے بجائے اشاروں اور کنایوں میں کہا جائے۔یہ رمز و ایمائیت اگرچہ خاص طور پر شاعری کا حصّہ ہے لیکن کبھی کبھی بات ہوتی ہی کچھ ایسی ہے کہ اس کے لیے اشاروں اور کنایوں کا استعمال ضروری ہو جاتا ہے۔کنایات میں دلکشی کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ قاری از خود ان اشاروں کا مطلب پا لیتا ہے تو اسے ایک خاص قسم کی ذہنی مسرّت

محسوس ہوتی ہے۔ان کے مضمون ''مولانا سہیل'' سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو؛

> ''مولانا اور فریق مخالف کے ایجنٹ میں بحث ہونے لگی۔حریف نے آخر اس اعتراف پر گفتگو ختم کرنی چاہی کہ دونوں امیدوار احمق تھے۔مولانا نے برجستہ فرمایا ''تو جناب میرا احمق نہ ووٹ پائے''، یہاں احمق کے بجائے دونوں نے ایک اور لفظ استعمال کیا تھا جو احمق سے زیادہ جامع تھا لیکن اس کا اعادہ اس نہیں کیا جاسکتا کہ اس قسم کے لوگ خاکسار کی عافیت میں خلل انداز ہوں گے۔''(۱۶)

رشید صاحب لفظوں کے زبردست مزاج شناس تھے۔لفظوں کے الٹ پھیر سے بلاغت پیدا کرنا ایک آرٹ ہے۔وہ لفظوں کے ہیر پھیر سے نہ صرف یہ کہ بات سے بات پیدا کرتے ہیں بلکہ اسے پڑھتے ہوئے مزاج میں چاشنی اور طنز وظرافت میں تیزی آجاتی ہے۔وہ لکھتے لکھتے قلم برداشتہ بعض ایسی باتیں لکھ جاتے ہیں جن میں بلا کی گہرائی ہوتی ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

> ''اس زمانے میں مولانا شاعری کرتے تھے، یونین کے الیکشن لڑاتے تھے اور معجون کھاتے تھے۔اب سنتے ہیں صرف مقدمے لڑاتے ہیں اور بچے پیدا کرتے ہیں۔''(۱۷)

رشید صاحب اپنی تحریروں میں صنعت تجنیس کا استعمال بھی کرتے ہیں۔بذاتِ خود یہ اہم صنعت نہیں لیکن اسے عبارت میں جس طرح لاتے اور کھپاتے ہیں اس سے مزاج کی چاشنی دوبالا ہوجاتی ہے۔یہ صنعت عبارت کی شعریت اور دل کشی میں اضافہ کرتی ہے اور ساتھ ہی جملوں اور فقروں کا وہ صوتی آہنگ بھی قابل توجہ ہے جو معنویت، بلاغت اور شعریت کی خوبیوں سے اس شائستہ اور رچے ہوئے اسلوب کی آبیاری کرتا ہے۔مزاح اسی شائستہ وشوخ اسلوب سے پیدا ہوتا ہے جیسے کہتے ہیں: ''الیکشن میں حکومت کی بازیگری، کمیٹی کی ممبری اور ٹھیکے کی نیلم پری مدنظر ہوتی ہے۔''(۱۸)

رشید صاحب ایک شے اور دوسری شے میں تفاوت اور اشیاء اور شخصیتوں میں تضاد کی نشاندہی کرتے ہیں حقیقت ہے کیا اور اس کی توجیہہ ہم کس غلط ڈھنگ سے کرتے ہیں۔یہ اقوال اس تضاد کی نقاب کشائی کرتے ہیں۔اس طرح کرنے سے طنز ومزاح کے رنگ چوکھا ہونے کا سراغ ملتا ہے اور زبان پر مصنف کی محکم قدرت کا ثبوت بھی۔ایک مثال ملاحظہ ہو: ''قصہّ کی تو تعریف ہی یہ ہے کہ وہ ٹھیک طور پر یاد نہ ہو اور آسانی سے بھلایا بھی نہ جاسکے۔''(۱۹)

رشید صدیقی کا اسلوب ان کی شخصیت ہے۔وہ متنوع اور پہلودار شخصیت کے مالک ہیں۔بچوں سے بچوں جیسی باتیں کریں گے اور طالب علموں کے ساتھ ان کے مذاق کو ملحوظ رکھیں گے۔سنجیدہ محفلوں میں ان کی سنجیدگی

اپنی مثال آپ ہوگی اور بے تکلف احباب میں وہ زعفرانِ زار ہوں گے۔ رشید صاحب کا تنقیدی لہجہ ادبی اور عالمانہ ہے۔ خاکہ نگاری میں جھجھم، وقار اور تدّبر ہے۔ طنز میں تبسم زیرلب کی کیفیت اور معنی خیز شوخی ہے تو مزاح میں مسکراہٹ اور کہیں کہیں قہقہہ بھی (ایک طرح کی متانت لیے ہوئے ہے)۔ فن تنقید حقیقت میں رشید صدیقی کے مزاج سے ہم آہنگ نہیں (۲۰) وہ عموماً اظہارِ رائے کر دیتے ہیں۔ ان کا شمار تاثراتی ناقدین میں ہوتا ہے۔ تنقید کا فن یوں بھی عالمانہ اسلوب، سنجیدگی اور شستگی کا متقاضی ہوتا ہے۔ رشید صدیقی محض عالمانہ اسلوب، سنجیدگی اور شستگی کو ملحوظ رکھے ہوتے تو کوئی خاص بات نہ تھی کہ ایسے نقادوں کی کمی نہیں، ان کے قلم کی جولانی اور جوانی کے لیے جوان کے ہر نوع کے اسلوب میں رواں دواں ہے اور ایسا جادو جگاتی ہے کہ موضوع کی عظمت دوبالا ہوجاتی ہے۔ غزل کے بار میں ہمارے نقادوں کی رائے خواہ کچھ بھی ہو لیکن رشید صاحب غزل کی توضیح جس خوبصورت اور دلنواز انداز سے کرتے ہیں وہ صرف انہی کا حصّہ ہے۔ یہاں چند مضامین سے غزل کے بارے میں چند فقرے دیکھئے:

'غزل شاعری نہیں تہذیب بھی ہے۔'' (آتش گل)

''غزل صنف سخن نہیں معیار سخن بھی ہے۔'' (جدید غزل)

''غزل ریزہ کاری میں مینا کاری ہے۔'' (غزل غالب اور حسرت)

''غزل زیور کی محتاج ہے اور زیور غزل کا محتاج ہے۔'' (غزل غالب اور حسرت)(۲۱)

اکبرالہ آبادی مشرقی تہذیب کے علمبردار تھے۔ انہوں نے مغربی تہذیب کے سیلاب بلا کو اپنی شاعری کی چٹان سے روکنے کی کوشش کی اور اس میں کامیاب بھی ہوئے اور ناکام بھی۔ اکبر نے مغربی تہذیب کو اس حد تک گوارا کرلیا کہ مشرقی تہذیبی اقدار متاثر نہ ہوں۔ انہوں نے اپنے اشعار کے ذریعہ اہل وطن کو ایک خاص پیغام دیا۔ رشید صاحب اکبر کے پرستار ہیں۔ اکبر کی شاعری کی خوبی اور نیک اور نیک نفسی کو رشید صاحب کے کس قدر متاثر کن انداز میں پیش کیا:

> ''اکبر نے اپنا پیام رسالت ہم تک پہنچایا ہے۔ اس زمانہ میں اغیار کی دراز دستی، اقرباء کی سادہ لوحی اور برادران یوسف کی بے کار استیلا، مغربیت کا سیلاب بلا، ایسی چیزیں تھیں جن کا نہ تو ماتم کیا جاسکتا تھا اور نہ مقابلہ، مجبوراً اکبر نے درمیانی راستہ اختیار کیا۔ وہ طعن و ہجو سے مرافعہ کرتا ہے۔ ہنسا ہنسا کر رلاتا ہے اور کھلا کھلا کر مارتا ہے۔'' (۲۲)

حسرت موہانی کی شاعری پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''حسرت کی زبان، حسرت کا عشق، حسرت کا لہجہ، حسرت کی شاعری کی ساخت و پرداخت سب کی سب مفرد ہے، مرکب نہیں وہ جڑی بوٹی کے قائل ہیں ماءاللحم و کشتہ جات کے نہیں۔'' (۲۳)

رشید صدیقی کے اسلوب کی جدّت اور اور طرفگی کا انداز کچھ ان کی خاکہ نگاری سے بھی لگایا جا سکتا ہے جہاں انھوں نے اپنے تاثرات کو الفاظ کے ذریعے مجسم کر دیا ہے۔ خاکہ نگاری میں الفاظ کی ترتیب، جملوں کی تراش خراش اور روانی و بہاؤ سب مل کر ان کا اسلوب بے مثال بن جاتا ہے۔ جذبات اور تخیّل کی رنگارنگی نے بھی ان کے اسلوب کو طرحدار بنا دیا ہے۔ خاکہ نگاری سے ان کا اسلوب کچھ میل کھا گیا ہے جس سے محسوس ہوتا ہے کہ کہ وہ کسی شخصیت کے کئی پہلوؤں کو اجاگر نہیں کر رہے ہیں بلکہ اپنے طور پر کوئی کردار تخلیق کر رہے ہیں۔ ان کے اسلوب کی دل آویزی اسی میں پنہاں ہے۔

رشید احمد صدیقی کے خاکوں میں زیادہ تر برگزیدہ شخصیات کی مرقع نگاری کسی شعر یا مصرع سے شروع ہوتی ہے اور یہ اشعار یا مصرعے ان شخصیات سے مکمل مناسبت رکھتے ہیں۔ ان اشعار کا رنگ مختلف شخصیات کے اسالیب سے ہم آہنگ ہے۔ مضمون کے شروع ہی میں اشعار پڑھنے والے کے لیے ذہنی فضا تیار کرتے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ شروع ہی سے اسلوب کو تر و تازہ اور شگفتہ و معطر رکھنے کی کوشش بھی کرتے ہیں۔ مولانا سیّد سلیمان اشرف پر اس شعر:

غزالاں تم تو واقف ہو کہو مجنوں کے مرنے کی ؎
دوانہ مرگیا آخر کو ویرانے پہ کیا گزری

مولانا ابوبکر محمد شیث فاروقی پر یہ شعر:

مرگِ مجنون پہ عقل گم ہے میر ؎
کیا دوانے نے موت پائی ہے

اصغر گونڈوی پر:

انداز ہیں جذب اس میں سب شمع شبستان کے ؎
اک حسن کی دنیا ہے خاکسترانہ پروانہ

ایوب مرحوم پر:

تمہاری نیکیاں زندہ تمہاری خوبیاں باقی ؎

علامہ اقبال پر یہ شعر:

جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم ؎
دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان

اور مولانا احسن مارہروی پر یہ شعر:

عشق کوئی ہمدرد کہیں مدت میں پیدا کرتا ہے
کوہ و دمن گونالاں برسوں اب کوئی فرہاد نہیں

رشید صدیقی لفظوں کے نادر استعمال اور خیال انگیز فقروں سے مزاح پیدا کرتے ہیں۔ وہ طنز نگاری میں غالب اور اکبر کے پیرو ہیں، وہ فرحت اللہ بیگ اور پطرس سے اسی حیثیت سے مختلف ہیں کہ انہوں نے طنز و مزاح کو غور روفکر اور سنجیدگی کے آداب سے مزین کیا ہے۔ ان کے طنز و مزاح کے پس پردہ جو بصیرت افروز اور عارفانہ آگہی ملتی ہے وہ ان کے ہم عصروں میں ناپید ہے۔ چونکہ ان کی فکر میں توازن ہے اس لیے یہی توازن اور ہم آہنگی وہ زندگی میں بھی دیکھنے کا خواہاں نظر آتے ہیں۔ بعض لوگ ان کے طنز و مزاح میں ابہام اور ایمائیت کا شکوہ کرتے ہیں مگر اسی ابہام اور ایمائیت کی بدولت ان کے طنز یہ و مزاحیہ اسلوب میں گہرائی پیدا ہوتی ہے۔ یہ گہرائی رشید صاحب کے اس اسلوب کی رہینِ منت ہے جس میں غالب کی رمزیت و بلاغت، اکبر کی حکیمانہ بصیرت اور سجاد انصاری کی خوش مذاقی اور سادگی و رنگینی شامل ہیں۔ رشید صدیقی نے ان تینوں کے اثرات قبول کر لیے ہیں مگر ان سارے عناصر کی آمیزش سے جس اسلوب کی تخلیق ہوئی ہے وہ نہایت درجے نادر، بدیع اور فکر انگیز ہے اور رشید صاحب کا منفرد اسلوب اتنا منفرد اور اس مخصوص اسلوب پر ان کی شخصیت کی چھاپ اتنی گہری اور بھر پور ہوتی ہے کہ قاری اسے پڑھتے ہی یا دیکھتے ہی یا سنتے ہی یک لخت کہہ اٹھتا ہے کہ یہ انہی کی آواز ہے۔ رشید صاحب کی یہی تو وہ خصوصیت ہے کہ ان کی تحریریں اپنی مخصوص تہہ داری کی وجہ سے پہچانی جاتی ہیں۔

رشید صاحب کی تحریروں میں سرسیّد، غالب، شبلی، سجاد انصاری اور شاہ نذیز غازی کی چھاپ سنائی دیتی ہے۔ ان ادیبوں کو گونج رشید صاحب کی تحریروں میں سنائی دیتی ہے لیکن ساری کثرت وحدت میں اس طرح گھل مل گئی ہے کہ ان پر صرف ایک آواز کا گمان ہوتا ہے یا صرف ایک اسلوب کا اور وہ ہے رشید صدیقی کی اپنی ذاتی آواز یعنی رشید صدیقی کا منفرد اسلوب۔ یہ ایک صاحب طرز ادیب اور صاحب اسلوب کے گرانمایہ اور موقر ہونے کی پہچان ہے کہ اس کے ہم عصر اور آنے والے ادیبوں نے اس کے اسلوب کی کہاں تک تقلید کی ہے اور کس حد تک متاثر ہوئے ہیں اور اس کا اسلوب ادب میں کس حد تک دیرپا اور کلاسیکی قدروں کا حامل ہے یا ہوسکتا ہے۔ رشید صاحب کا اسلوب ان کی شخصیت بن چکا ہے۔ اس حد تک کہ اس کے بغیر ان کی شخصیت اور ان کے فن کا تصوّر نہیں کیا جا سکتا۔ ان کے اسلوب کے جن پہلوؤں کو اپنانے کی کوشش کی گئی وہ بذلہ سنجی اور فقرے تراشنے کے پہلو ہیں۔ اس ضمن میں آل احمد سرور کا نام لیا جاسکتا ہے۔ ان کے علاوہ مشتاق احمد یوسفی اور یوسف ناظم نے بھی رشید صاحب کے اسلوب

سے اپنا چراغ روشن کیا ہے۔آل احمد سرور ارادتاً رشید صاحب کے اسلوب کی پیروی کرتے ہیں، اگر چہ دونوں کے مزاج اور مسلک جدا ہیں اور دونوں کے اسالیب اور میں فرق پایا جاتا ہے تو اس قدر کہ رشید صدیقی کے ہاں شوخی، بذلہ سنجی اور بانکپن فطری اور آمد کی کیفیت لیے ہوئے ہے جبکہ سرور صاحب کے مزاج کی جذب و مستی اور مخصوص ٹھہراؤ کے ساتھ شوخی ، بذلہ سنجی اور بانکپن میں آورد کا احساس ہوتا ہے۔الفاظ کی ترتیب اور جملوں کا دروبست پکار پکار کر کہتے ہیں کہ ہم رشید صدیقی کے مرہونِ منت ہیں۔سرور صاحب نے شوخی اور بذلہ سنجی کی سعی کی لیکن وہ سنبھل نہ سکے اور رشید صدیقی کا سہارا لینے پر مجبور ہوگئے ۔غرض یہ کہ رشید صاحب کے اسلوب میں جو دلنوازی اور دل پذیری ہے وہ سرور صاحب کے اسلوب میں نہیں۔سرور صاحب نے رشید صدیقی کے اسلوب سے ہم آہنگ ہونے کی کوشش کی ہے لیکن وہ اس میں کامیاب نہیں ہوئے۔مشتاق احمد یوسفی کے ہاں واقعاتی مزاح نسبتاً زیادہ ہے۔ ان کے موضوعات ہماری معاشرت اور مغربی تہذیب کے پیدا کردہ ہیں لیکن وہ مشرقی تہذیب کے منفی اور مضحک پہلوؤں کو نظر انداز نہیں کرتے ۔اپنے ہم عصروں میں مشرقی علوم اور فارسی (بلکہ قدرے عربی) کا مطالعہ مشتاق یوسفی کا زیادہ ہے ۔ان علوم ،زبانوں اور ہماری ادبی اور تہذیبی روایات سے آگاہی کے بغیر مشتاق یوسفی کے مزاح سے محظوظ ہونا ممکن نہیں ۔ یہ باتیں ان کو رشید صدیقی سے قدرے قریب کر دیتی ہیں ۔خصوصاً قولِ محال میں وہ اپنے ہم عصروں میں ممتاز ترین ہیں۔

حواشی

۱۔ طارق سعید، اسلوب اور اسلوبیات، لاہور: مکتبہ میری لائبریری، بارِ اوّل ۱۹۸۸ء، ص ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۸۔

۲۔ صدیقی، حفیظ، ابوالاعجاز، کشاف تنقیدی اصطلاحات، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۵ء، ص ۱۳۔

۳۔ بشیر گلزار پوری، رشید احمد صدیقی کا اسلوب، سرینگر: گلش پبلشرز، ۱۹۹۸ء، ص ۳۹۔

۴۔ حالی، الطاف حسین، مقدمہ شعر و شاعری، لاہور: لاہور اکیڈمی، ۱۹۸۷ء، ص ۳۰۔

۵۔ بشر گلزار پوری، ص ۴۹۔۶

۶۔ مالک رام، رشید احمد صدیقی (کردار افکار گفتار)، لاہور: خیام پبلشرز، ۱۹۷۳ء۔

۷۔ قاسمی، ابوالکلام، پروفیسر (مرتب) رشید احمد صدیقی شخصیت اور ادبی قدر و قیمت، لکھنؤ: اتر پردیش اُردو اکادمی، ۱۹۹۸ء، ص ۱۶۔

۸۔ رشید احمد صدیقی، اپنی یاد میں، مشمولہ: مضامینِ رشید (اضافی مطالعات کے ساتھ)، ڈاکٹر سیّد معین الرّحمان (مرتبہ)، لاہور: الوقار پبلشرز، ۱۹۹۵ء۔

۹۔ رشید احمد صدیقی، خط بنامِ آل احمد سرور، مشمولہ: خطوطِ رشید احمد صدیقی، جلد پنجم، لطیف الزّمان (مرتبہ)، مہر الٰہی ندیم، ملتان: ملتان آرٹس فورم، ۲۰۰۲ء، ص ۱۲۸۔

۱۰۔ رشید احمد صدیقی، طنزیات و مضحکات، آئینہ ادب لاہور، ۱۹۶۶ء۔

۱۱۔ قاسمی، کتابِ مذکور، ص ۱۴۷۔

۱۲۔ رشید احمد صدیقی، میزانِ نثر جلد اوّل، لطیف الزماں (مرتبہ)، مہر الٰہی ندیم، کراچی: مکتبہ دانیال، اپریل ۱۹۹۹ء، ص ۳۳، ۴۲۲۔

۱۳۔ رشید احمد صدیقی، ''میزانِ نثر جلد اوّل''، ص ۶۵، ۸۸۔

۱۴۔ قاسمی، کتابِ مذکور، ص ۱۵۱۔

۱۵۔ کتابِ مذکور، ص ۳۴۔

۱۶۔ رشید احمد صدیقی، میزان نثر جلد دوم، لطیف الزماں (مرتبہ)، مہر الٰہی ندیم، کراچی: مکتبہ دانیال، دسمبر ۱۹۹۹ء

۱۷۔ کتابِ مذکور ص ۱۵۱۔

۱۸۔ رشید احمد صدیقی، خط بنامِ آل احمد سرور، مشمولہ: خطوطِ رشید احمد صدیقی، جلد پنجم لطیف الزماں (مرتبہ)، مہر الٰہی ندیم،

ملتان: آرٹس فورم، ۲۰۰۲ء۔ص ۱۲۸۔

۱۹۔ رشید احمد صدیقی، خط بنامِ عبدالماجد دریا آبادی، مشمولہ: خطوطِ رشید احمد صدیقی، جلد پنجم، لطیف الزماں (مرتبہ)، مہر الٰہی ندیم، ملتان: آرٹس فورم ۲۰۰۲، ص ۱۷۲۔

۲۰۔ رشید احمد صدیقی، طنزیات و مضحکات، ص ۱۰۹

۲۱۔ بشیر گلزار پوری، کتابِ مذکور، ص ۵۶۔

۲۲۔ رشید احمد صدیقی، خطبات، لطیف الزّمان، مہر الٰہی ندیم، کراچی: مکتبہ دانیال، ۱۹۹۱ء، ص ۲۰۱ء۔

۲۳۔ رشید احمد صدیقی، خط بنامِ کیفی اعظمی، مشمولہ: خطوطِ رشید احمد صدیقی، جلد ششم، لطیف الزماں (مرتبہ)، مہر الٰہی ندیم، ملتان: آرٹس فورم، ۲۰۰۲ء، ص ۸۷۔

۲۴۔ بشیر گلزار پوری، ص ۴۹۔

کتابیات

۱۔ اصغر عباس، رشید احمد صدیقی آثار و اقدار، علی گڑھ: شعبہ اُردو، ۱۹۷۴ء

۲۔ بشیر گلزار پوری، رشید احمد صدیقی کا اسلوب، سرینگر: گلشن پبلشرز، ۱۹۹۸ء

۳۔ رشید احمد صدیقی، مضامینِ رشید (اضافی مطالعات کے ساتھ)، ڈاکٹر سیّد معین الرحمان (مرتبہ)، الوقار پبلشرز لاہور

۴۔ رشید احمد صدیقی، اقبال شخصیت اور شاعری، لاہور: اقبال اکیڈمی پاکستان، بار اوّل ۱۹۷۶ء

۵۔ رشید احمد صدیقی، غالب نکتہ داں، لطیف الزماں (مرتبہ)، مہر الٰہی ندیم، کراچی: مکتبہ دانیال، جنوری ۱۹۹۷ء

۶۔ رشید احمد صدیقی، تبصرے تعارف اور مقدمات، (مرتبہ) ایضاً، ملتان: آرٹس کونسل، بار اوّل دسمبر ۲۰۰۳ء

۷۔ رشید احمد صدیقی، جدید غزل، علی گڑھ: مسلم یونیورسٹی پریس، ۱۹۵۵ء

۸۔ رشید احمد صدیقی، خطباتِ رشید احمد صدیقی، لطیف الزمان (مرتبہ)، مہر الٰہی ندیم، کراچی: مکتبہ دانیال، ۱۹۹۱ء

۹۔ رشید احمد صدیقی، خطوطِ رشید احمد صدیقی، جلد چہارم، لطیف الزّمان (مرتبہ)، مہر الٰہی ندیم، ملتان: آرٹس فورم، ۲۰۰۲ء

۱۰۔ رشید احمد صدیقی، خطوطِ رشید احمد صدیقی، جلد پنجم، لطیف الزّمان (مرتبہ)، مہر الٰہی ندیم، ملتان: آرٹس فورم ۲۰۰۲ء

۱۱۔ رشید احمد صدیقی، غزل غالب اور حسرت، ڈاکٹر سیّد معین الرحمان (مرتبہ)، لاہور: الوقار پبلشرز، ۱۹۹۵ء

۱۲۔ رشید احمد صدیقی، میزانِ نثر جلد اوّل، لطیف الزمان (مرتبہ)، مہر الٰہی ندیم، کراچی: مکتبہ دانیال، بار اوّل اپریل ۱۹۹۹ء

۱۳۔ رشید احمد صدیقی، میزانِ نثر جلد چہارم، لطیف الزّ مان (مرتبہ)، مہر الٰہی ندیم، کراچی: مکتبہ دانیال جون ۲۰۰۰ء

۱۴۔ سلیمان اطہر جاوید، رشید احمد صدیقی فن اور شخصیت، حیدر آباد: نیشنل بک ڈپو، بار دوم جون ۱۹۷۶ء

۱۵۔ صدیقی، حفیظ، ابوالاعجاز، کشاف تنقیدی اصطلاحات، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۵ء

۱۶۔ طارق سعید، اسلوب اور اسلوبیات، لاہور: مکتبہ میری لائبریری، بارِ اوّل ۱۹۸۸ء

۱۷۔ مالک رام، رشید احمد صدیقی (کردار افکار گفتار)، لاہور: خیام پبلشرز۔